☆ پروفیسر ڈاکٹر نوید شہزاد

منیر نیازی کی پنجابی نظم کے عنوانات
(تجزیاتی مطالعہ)

Abstract:

This research article relates, to the Muneer Niazi, new trends in poetry specially Punjabi poems. He introduced new symbols and given the new meaning to the words in the light of trend setter Punjabi Poem. The research has discussed the titles of Muneer's Punjabi poem. We have come to this conclusion that the titles of Muneer are not different from its content and sometime their titles gives the different dimensions to his poems.

Keywords: *Muneer Niazi, Trends Setter, Punjabi Poems, Conclusion, Dimensions.*

....

گو غزل کے مقطع کی مانند عنوان نظم کا ضروری یا لازم حصہ نہیں مگر پھر بھی شعراء کے ہاں عام طور پر اس کا اہتمام کیا جاتا ہے۔ بطورِ خاص کلاسیکی شعری روایت اور پھر نو کلاسیکل پنجابی نظم۔ ان دو عہود میں ایسی مثال میری نظر سے نہیں گزری کہ کوئی نظم بلا عنوان ہو۔ نظم عنوان سے مزّین کرنے کی روایت اس قدر پرکشش ٹھہری کہ بیشتر شعراء نے گیتوں کو اشاعتی عمل میں گزارنے سے پہلے اُن کی پیشانی پہ بھی اُن کے مجموعی تاثر کے سیاق میں عنوانات ثبت کیے۔ جس کی ایک مثال سعد اللہ شاہ کی کتاب: ''مکھڑا'' ہے۔ مثلاً:

''گھڑیا
گھڑیا وے گھڑیا
گل سُن اڑیا

اج سجناں نے آنا
اسیں تکنا تے شرمانا
سانوں اوہنے تکنا اڑیا
گھڑیا وے گھڑیا''[1]

نو کلاسیکل پنجابی نظم میں عنوانات کی کئی صورتیں ہیں۔ ایک وہ جب نظم کا عنوان دیکھنے سے اندازہ ہو جاتا ہے کہ نظم گو متن میں کیا بیان کرے گا۔ مثلاً حافظ عالم خان کی نظم: ''چٹھی خلافت دی''[2]، جس میں ترکیہ خلافت کی بات کی گئی بلکہ حمایت کی گئی اور نہ صرف اسے یہاں تک محدود رکھا گیا بلکہ اسے برصغیر میں اور عالم انسانیت میں ایک تحریک کی صورت اپنا اپنا کردار ادا کرنے کی خواہش کا اظہار کیا گیا۔ بہرحال ''عنوان'' کے بعد یہ بات متن چھونے تک واضح نہیں ہوتی کہ شاعر'' خلافت'' کا حامی ہے یا مخالف۔ اسی طرح خان مستانہ کی نظم: '' پاکستان''[3] کا معاملہ ہے کہ یک لفظی عنوان میں کوئی ایسا اشارہ مضمر نہیں جو متن میں بیان کردہ منفی، مثبت یا دونوں عناصر سے متعلق رائے کی وضاحت کرے۔ مذکورہ بالا تناظر میں فیروز الدین شرف کی نظم: ''سپاہی''[4] اور بابا عالم سیاہ پوش کی نظم: ''ہانی''[5] بھی پیش کی جاسکتی ہیں۔ مگر کچھ عنوانات دوسری نوعیت کے ہیں کہ وہ متن کے بغیر کوئی بھی حتمی معنویت دینے میں مکمل معذور نظر آتے ہیں۔ جیسے استاد دامن کی نظم: ''تیرا دل اک اے جاں دوا!''[6] اب یہاں یہ بات وضاحت طلب ہے کہ تخلیق کار کس سے مخاطب ہے؟ اور پھر ایسا کہا کیوں گیا؟ اور پھر یہ بھی کہ تخلیقی متن اس سوال کا کیا جواب دے گا؟ گویا کہا جا سکتا ہے کہ اس عنوان میں تجسّس کی ایک سے زیادہ پرتیں موجود ہیں۔

اب دیکھتے ہیں عہدِ موجود کی وہ نظمیں جو اسلوبِ بیان کی سطح پر نو کلاسیکل عہد کی نظم کی نمائندگی کرتی ہیں۔ مثلاً ایم اے آزاد کھوکھر کی نظم: ''مسئلہ ایہ پچھیا میں''[7] بہ لحاظ عنوان نظم کے متن کی مکمل نمائندگی نہیں کرتی، یعنی آپ اسے تخلیق کا مرکزی خیال نہیں کہہ سکتے۔ مگر تشنگی اور تجسّس موجود ہے کہ: مسئلہ کون سا؟ کیوں پوچھا؟ پس منظر و پیش منظر کیا ہے اس سوال کا؟ کسے پوچھا؟ وغیرہ وغیرہ۔ یہ تمام تر فضا قاری کے لیے متن چھونے کی رضامندی کو جنم دینے میں معاونت کرتی ہے۔ جب کہ عدل منہاس لہوری کی نظم: '' یاداں وچ وسدا لہور''[8] کا معاملہ مختلف ہے کہ یہ عنوان کافی حد تک واضح ہے اور متنی وجود موضوع، عنوان کی وساطت ہی سے قاری پہ اظہار کرتا دکھائی دیتا ہے۔ یا یوں کہیں کہ عنوان، تخلیقی

متن کا مخبر ہے۔ صرف یہ بات ادھوری رہ جاتی ہے کہ یہ یادیں مسحور کن ہیں یا تلخیوں سے لبریز، اور پھر یہ بھی ان دونوں صورتوں میں ان کیفیات کا اظہار کن مناظر اور واقعات کی وساطت سے ہو رہا ہے۔ ملک ارشاد کی طویل پابند نظم: ''شہر کوٹ رادھا کشن''[9] کو بھی اسی ذیل میں دیکھا جائے گا۔ جب کہ شکیلہ جبیں کی طویل پابند نظم: ''الاہما''[10] ایم اے آزاد کھوکھر کی نظم کے عنوان جیسی ہے کہ: 'الاہما' (شکوہ) کیسا؟ کس سے؟ اور کس نوعیت کا؟

نئی پنجابی نظم کی صورت نوکلاسیکل پنجابی نظم سے ملتی جلتی بھی ہے اور قدرے مختلف بھی۔ مثلاً سارا شگفتہ[11] کے ہاں بیشتر نظمیں ایسی ہیں جن پہ عنوانات درج ہی نہیں۔ ایسی مثالیں نئی پنجابی نظم کے دوسرے نمائندہ شعراء کے ہاں بھی ملتی ہیں۔ جہاں تک منیر نیازی کا تعلق ہے تو منیر نیازی کی تمام نظمیں، عنوانات سے مزیّن ہیں۔ بلکہ یہ روایت بھی منیر ہی سے شروع ہوئی کہ منی نظم کا عنوان طویل ہے جبکہ متن عنوان کے مقابل مختصر، مثلاً:

''پہلے آدم دی سوچ
میں کیہ کراں''[12]

عنوان اور متن دونوں اپنی اپنی جگہ مکمل معنوی اکائی کا نمونہ ہیں، یعنی ایک عنوان کو کسی اور موضوع کے حامل متن کا حصہ بنایا جائے یا مذکورہ بالا متن کو کسی اور معنویت کے حامل عنوان سے متصل کر دیا جائے تو تخلیق کار کے لیے قطعی طور پر ناممکن نہ ہوگا۔ بلکہ ایسا ایک سے زائد صورتوں میں کیا جا سکتا ہے۔

نئی پنجابی نظم میں منیر سے متاثر شعراء میں طارق عزیز جو بے قاعدہ شاعر تھے، اور سلمان سعید کے نام سرفہرست ہیں۔ جب کہ سلیم الرحمن اکلوتے شاعر ہیں جن کی پنجابی نظم میں منیر کی نظم سے ملتا جُلتا ماحول اور مزاج دکھائی دیتا ہے اور اُنھوں نے ہر نظم کے آخر میں تاریخِ تخلیق درج کرتے ہوئے یہ بتانے کا اہتمام کیا ہے کہ میں منیر نیازی سے سینئر شاعر ہوں۔ میں سمجھتا ہوں کہ یہ دونوں معاصر شعراء ہیں۔ اگر سلیم الرحمن کی نظموں کے عنوانات دیکھیں تو کچھ ایسے ہیں جن میں خوف اور حیرت ہے، مثلاً: ''دور دے رنگ، رات، اک خواب، سفر، کلے کلے لوکی، واء ورولا، کالا سورج، خواب دا پردہ، شہراں دے لوک، دُور دراڈے، دسمبر وچ ہاڑ، اک ڈر، ادھا کھلا بوہا، نائٹ ڈیوٹی، جاز، اک نیلی یاد۔''[13] اور کچھ روایتی ہیں: ''مُڑ اوہ رُت نہ آئی، ویلے دیاں چھلاّں، کلے کلے لوکی، ملن دی گھڑی، کونج،

چڑھدی رُت، اُنیندرا، پیلی دیا پتیا، رات، اِکلّا، جوگی، پرچھاواں، سفر، کوک، بھونچال، اج"[14] وغیرہ وغیرہ۔ جب کہ منیر نیازی کی نظموں کے عنوانات کافی حد تک غیر روایتی بھی ہیں اور خوف یا حیرت کا عنصر بھی کسی نہ کسی درجے یا معنویت کی کسی نہ کسی پرت سے ضرور متصل دکھائی دیتا ہے، مثلاً: "اک پکی رات، موت دی آواز، پت جھڑ دی شام، پہلے بدّل دی رات، لہو والے ہتھ، سوچن دی سزا، سورج سامنے بند اکھاں وچ، وحشی عورت، لُکیاں ہوئیاں چیزاں، شہر دے مکان، جنگل دے جادو، ہوا نال ٹکراں، جدوں جنگل وچ ہووو، میرا اصل وجود، اک بہادر دی موت، چار چُپ چیزاں، اسمان ول ویکھن والیاں دا درد، رستے دی اک رات، اک پل قیامت دا، سفر دے عجائب، دُھپ وچ دو سفید عورتاں، خالی درگاہواں دی سیر، وقت توں اگے لنگھن دی سزا، اک دوپہر چڑیلاں دے جھُرمٹ وچ، اک گھر دی شام، ادھ کھُلی باری وچوں، رستے وچ اک شہر، سُندر بن، اک بدمعاش عورت، گل اک شام دی، زمین دے آخری دشمن دا حملہ، اک بڑا پرانا خوف، دوسری موت توں پہلے، انت دی تصویر لوہے دے فریم وچ، سپ دیاں صفتاں، زمین دا اک ہور دشمن، خالی شہر اُتے بدّل، اک خاص قسم دی رات، اک ہنیری جگہ تے، ظاہر نوں غیب دا ڈر، دُھپ دا تعزیہ، چار چُپ چیزاں، پہلے آدم دی سوچ، بسنتی سورج سامنے کوٹھے اُتے اک خاندان، پرچھاویاں پچھے تصویر، ناموجود جیہڑا موجود سی، ڈری ہوئی زمین، شہر دیاں حدّاں تے رات، اصل کولوں خوف، خاکی آدم دا آخری عمراں دا خواب، رستے وچ تپسیا دے استھان، سُندر بن ول اک ادھورا سفر، ویلے دی وڈی کوئی حقیقت، غیر ثابت نظارے، اک پرچھاواں دیر تک، خواب نیں ہواواں دے، قصہ کلّے آدمی دے سفر دا"۔[15]

منیر کا ایک کمال یہ بھی ہے کہ وہ بسا اوقات روایتی اسلوب کے حامل متن کو عنوان کی مدد سے ایک سے زیادہ جہات دینے کا اہتمام کرتا ہے۔ مثلاً اُس کی دو منی نظمیں دیکھیں:

"نفرت ساڈی پھوکی جہی اے یاریاں وچ نہیں زور
سارے اکو ہو گئے کیہ سادھو کیہ چور"

(اک بے تکی تصویر)

"گولی دی اگ اوہدے اندر سی پر فیر وی ذرا نہیں ڈریا
مرن توں پہلے سگریٹ پیتا، فیر ارام نال مریا"[16]

(اک ہور بے تکی تصویر)

دونوں نظموں کے موضوعات یکسر مختلف ہیں جب کہ عنوانات قریب قریب۔ اور ان عنوانات کی معنویت کے سیاق میں دونوں مناظر کو فضول قرار دیا جا سکتا ہے، اگر تخلیق کار کے طنزیہ انداز کو پیشِ نظر نہ رکھا جائے تو پہلی نظم کے عنوان کو طنز بھی قرار دیا جا سکتا ہے، کہ متن میں بیان کردہ صورتِ حال ممکن نہیں۔ سب ایک جیسے کیسے ہو سکتے ہیں؟ جب کہ دوسری نظم اپنے عنوان سے میل کھاتی دکھائی دیتی ہے، بہ طور خاص دوسرا مصرع۔ اسی طرح نظم: ''اک بہت پرانا گیت'' کی مثال ہے، نظم دوگانے کی صورت لکھی گئی اور منیر نے اپنے خاص اسلوب سے ہٹ کر نہایت روایتی اور سہل انداز اپنایا، مگر ''عنوان'' نے اسے بھرپور سیاق دان کیا۔ یعنی ماضی سے متعلق ہر عہد کے مرد وعورت کی کہانی یا یوں کہہ لیں کہ'' پیار کہانی''۔ گویا عنوان کی موجودگی متن کو تمام اُن لمحات سے وصل کرتی ہے، جب جب عالم موجود میں ایسی کسی بھی جیتی جاگتی کہانی نے جنم لیا اور جس میں زمان و مکاں کی کوئی حیثیت نہیں۔

مختصراً اس مطالعے کے آخر میں اگر یہ کہا جائے تو غلط نہ ہوگا کہ منیر نیازی کی پنجابی نظموں کے عنوانات متن میں پائی جانے والی فضا سے مختلف نہیں۔ حیرت، خوف اور تجسّس ان کا بنیادی عنصر ہے اور یہی وہ چیز ہے جو عنوان سے متن کے اختتام تک قاری کو قرأت کے لیے بہ خوشی و رضا آمادہ کیے رکھنے کا مکمل اہتمام کرتی ہے۔ اسی سیاق میں بطور اختتامیہ مثال دیکھیں:

''انت دی تصویر لوہے دے فریم وچ
کندھاں اُتے اکھاں ٹنگیاں بے ترتیبی نال
جیویں نال بھری بندوق دی غصے دیوچ لال
کوکاں دیندیاں ریلاں لنگھن، ہُو وچ مست جہاز
آدم لوہا بن دا جاوے جوں جوں سمجھے راز
باہروں پتھر ہُندا جاندا، اندروں سخت گداز
انت اے اوس دی حیرت دا بس اک ہُو دی آواز''(17)

☆☆☆

References:

* Incharge Baba Farid Research Chair, Institute of Punjabi and Cultural Studies, Punjab University, Lahore.

1- Saadullah Shah- Mukhra (Lahore: Al-Hamad Publications, 1994)105.

2- Prof. Dr. Shahbaz Malik (Muratab)- Punjabi Adab te Manzl-e-Pakistan (Lahore: Aziz Publishers, 1995) 237-239.

3- As Above, 237-239.

4- Ferozuddin Sharaf- Noorani Kirnan (Lahore: Maktaba Punj Darya, S.N.)39.

5- Baba Alam Siyahposh- Haneriyan Ratan (Lahore: Alam Brothers, 1976) 52-63.

6- Ustad Daman- Daman de Mooti (Lahore: Feroze Sons Limited, S.N.) 38-40.

7- M .A Azad Khokhar- Nazman e Nazman (Lahore: Maqsood Publishers, 2013)142.

8- Adal Minhas Lahori- Hanjo Nazrane (Lahore: Gulshan Adab Publications, 2014)171.

9- Malik Irshad- Bukhan thi Sooli. (Lahore: Punjabi Center, 2016)120.

10- Shakeela Jabeen- Rubb Khedan Khedda (Lahore: Sanjh Publications, 2016)57.

11- Sara Shgufta- Lukan Meeti (Karachi: Sara Academy, 1994)35.

12- Munir Niazi- Kul Kalam (Lahore: Khazina Alam-o-Abad, 2002)135.

13- Salim ul Rahman- Awan Waley (Lahore: Nai Matbuat, 1965)54.

14- As Above,

15- Munir Niazi- Kul Kalam, 120

16- As above, 122-123.

17- As above, 109.